# نظرات

برصغیر کے حساس اور دردمند مسلمانوں کو یہ معلوم کر کے مسرت آمیز اطمینان اور سکون ہوگا کہ دارالعلوم دیوبند کا قضیہ نامرضیہ جو کم وبیش دو برس سے عالم اسلام کے ایک بڑے طبقہ کے لیے سخت اضطراب و تشویش کا باعث بنا ہوا تھا، اچانک اس وقت ختم ہو گیا جب لکھنؤ میں گذشتہ ۱۵ اور ۱۶ اگست کو منعقدہ مجلس شوریٰ کے جلسہ میں حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب کا عہدۂ اہتمام سے استعفا پیش ہوا اور جذبات شکرگذاری کے ساتھ منظور کر لیا گیا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ شوریٰ کا یہ جلسہ مسافر خانہ میں منعقد ہوا۔ اور مہتمم، صدر المدرسین، دو نائبین اہتمام اور خاکسار راقم الحروف جس نے صدارت کی ان کے علاوہ جو حضرات اس جلسہ میں شریک ہوئے ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں: -
مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی، مولانا محمد منظور نعمانی، مولانا سید ابوالحسن علی الندوی، مولانا عبدالحلیم جونپوری، مولانا قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی، نواب حاجی عبیدالرحمٰن خاں شیروانی (علی گڈھ) مولانا حکیم محمد زمان (کلکتہ) مولانا عبدالقادر (مالیگاؤں مہاراشٹر) حاجی علاء الدین (بمبئی) ۱۵ اگست کو ساڑھے نو بجے صبح ہم سب لوگ ابھی جلسہ گاہ میں آکر بیٹھے ہی تھے کہ بمبئی کے دو نامور صنعت کار جناب عزیز الحق صاحب اور صوفی عبدالرحمٰن صاحب جو دارالعلوم دیوبند کے دیرینہ عقیدتمند اور حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب کے ارادتمند خصوصی میں سے ہیں آگئے اور درخواست کی کہ وہ مجلس شوریٰ سے کچھ گفتگو کرنا چاہتے ہیں، شوریٰ نے مولانا محمد منظور نعمانی، نواب حاجی عبیدالرحمٰن خاں شیروانی اور خاکسار راقم الحروف ہم تینوں کو ان ہر دو حضرات سے الگ تنہائی میں گفتگو کرنے کے لیے نامزد کیا، چنانچہ ہم ایک کمرہ میں آکر بیٹھ گئے اور گفتگو شروع ہوئی، پہلے ادھر ادھر

کی مختلف باتیں ہوتی رہیں اور آخر میں عزیز الحق صاحب نے جیب سے حضرت قاری صاحب کا استعفا نامہ نکال کر مولانا نعمانی کے سپرد کر دیا۔ ہم نے پہلے بھی متعدد مواقع پر لکھا ہے اور اب پھر لکھتے ہیں کہ مولانا قاری محمد طیب صاحب اپنے علم و فضل اور ذاتی اوصاف و کمالات کے اعتبار سے بے شبہ برصغیر کی ایک اہم اور عظیم شخصیت ہیں اور انھوں نے ایک نصف صدی سے زیادہ دارالعلوم دیوبند کی جو خدمات انجام دی ہیں وہ اس درجہ وسیع اور عظیم ہیں کہ ان کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، لیکن عرف عام میں جس چیز کو ابتلا کہتے ہیں اس کے معنی ہی یہ ہیں کہ بعض اوقات افراد و اشخاص یا جماعتوں کو اچانک ایسے حوادث و واقعات پیش آتے ہیں جو شعوری یا غیر شعوری طور پر ان افراد یا جماعتوں کو ان کے اصل جوہر فطری کے خلاف اقدامات اور اعمال و افعال پر مجبور کر دیتے ہیں، اور عام لوگوں کا کیا ذکر، ابرار و صلحاء اور بزرگان دین کو ہی یہ پیش آتا ہے۔ تاریخ اسلام میں ایک دو نہیں کثرت سے اس کی مثالیں موجود ہیں۔

دارالعلوم دیوبند کے معاملات میں جو کچھ پیش آیا اسے ابتلا کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے چنانچہ مولانا نے استعفا نامہ میں صاف لکھا ہے کہ اجلاس صد سالہ کے بعد جو واقعات و حوادث پیش آئے وہ آپ کے مذاق طبیعت کے خلاف تھے اور ان پر آپ نے کھلے دل سے اظہار افسوس کیا ہے، عزیز الحق صاحب نے بیان کیا کہ مولانا نے اہتمام سے استعفا نومبر ۱۹۸۱ء میں جب کہ آپ بمبئی میں تھے اس وقت بھی اپنے قلم سے لکھ کر ہمارے حوالہ کر دیا تھا مگر بعض بزرگان ملت (جن کے انھوں نے نام بھی لیے تھے) کی کچھ در اندازی کے باعث یہ استعفیٰ مجلس شوریٰ تک نہیں پہنچ سکا تھا" تاہم اس کی ایک نقل مولانا محمد منظور نعمانی کو لگ گئی تھی اور وہ انھوں نے شوریٰ کے جلسہ میں پڑھ کر سنائی تھی، آپ استعفا کی قدیم و جدید دونوں تحریریں پڑھئے تو اندازہ ہوگا کہ ایک فطرت سلیم خارجی موثرات و عوائد کی قید و بند سے آزاد ہو کر جب آمادۂ بہ تکلم ہوتی ہے تو اس کا لب و لہجہ کس درجہ پاکیزہ اور اس کی

آواز کس قدر دل نشین ہوتی ہے، چنانچہ مجلس میں یہ استعفا پڑھا گیا تو سب ارکان غیر معمولی طور پر اس سے متاثر ہوئے اور جذبات تشکر گذاری کے ساتھ اسے منظور کرلیا گیا اور اس طرح ایک حزنیہ ڈرامہ کا ڈراپ سین ہوگیا، ابھی دارالعلوم دیوبند کو مکمل طور پر معمول پر لانے اور باہمی اعتماد و اعتبار کی فضا پیدا کرنے کے لیے بہت کچھ کرنا ہے امید ہے کہ موجودہ صورت حال سے اس میں مدد ملے گی۔

---

مجلس شوریٰ نے مزید فیصلہ یہ کیا کہ مولانا مرغوب الرحمن صاحب کو جو اب تک عارضی طور پر کام کر رہے تھے مستقل مہتمم مقرر کردیا۔ اور واقعہ یہ ہے کہ اس وقت اس سے بہتر انتخاب ممکن نہیں تھا۔ مولانا مرغوب الرحمن صاحب دارالعلوم کے دیرینہ فارغ التحصیل ہیں، مجلس شوریٰ کے پرانے اور فعال و سرگرم کارکن چلے آرہے ہیں۔ بجنور کے ایک نامی گرامی صاحب علم و دین خاندان کے چشم و چراغ ہیں ان کے خاندان کے خاندان قاسمی اور حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری اور دوسرے اکابر دیوبند کے ساتھ بڑے مخلصانہ اور گہرے روابط و علائق رہے ہیں اور اس بنا پر موصوف کو اکابر دیوبند کی صحبت و معیت کا شرف برابر حاصل رہا ہے، جو کام کرتے ہیں بڑی محنت، ذمہ داری کے احساس اور دل کی لگن کے ساتھ کرتے ہیں، اور صرف عالم نہیں بلکہ صاحب اوراد و وظائف بھی ہیں" انتظامی قابلیت اور خصوصاً مالیات کی دیکھ بھال اور ان کی نگرانی کی صلاحیت اعلیٰ درجہ کی ہے، مزید برآں خلوص کا عالم یہ ہے کہ چونکہ ماشاء اللہ گھر کے خوش حال اور رئیس ہیں اس لیے دارالعلوم سے ایک پیسہ تک لینے کے روادار بھی نہیں ہوتے، اب فرمائیے دارالعلوم کے مہتمم کے لیے آپ کو اور کیا اوصاف درکار ہیں۔؟ کہتے ہیں "واعظ شیریں بیان نہیں ہیں۔" سوال یہ ہے کہ مولانا حبیب الرحمن خاں عثمانی کون سے واعظ شیریں بیان تھے۔؟ کہا جاتا ہے کہ مصنف نہیں ہیں۔ گذارش ہے کہ مولانا حافظ محمد احمد

کب معنف تھے ؟ ایک صاحب بولے کہ "وہ بین الاقوامی شہرت نہیں رکھتے " ہم نے جواب دیا: کیا مولانا قاری محمد طیب صاحب شروع میں بھی اتنے ہی مشہور تھے جتنے کہ بعد میں ہوئے۔ علاوہ ازیں ایک کام کرنے والے آدمی کے لیے شہرت سب سے بڑا ابتلاء ہے، کیونکہ جس کام کی وجہ سے آدمی مشہور ہوتا ہے شہرت اس میں رخنے پیدا کر دیتی ہے۔

---

مجلس شوریٰ نے اسی جلسہ میں "شیخ الہند اکاڈمی" کے نام سے ایک ادارہ تحقیقات اسلامیہ قائم کرنے کا بھی فیصلہ کیا ہے اور اس کے ڈائرکٹر ہونے کی خدمت خاکسار راقم الحروف کو سپرد کی گئی ہے۔ واللہ ھو المستعان و علیہ التکلان:

## ضروری تصحیح

برہان بابت ماہ جون کے نظرات میں پیر سید حسام الدین راشدی مرحوم پر جو تعزیتی شذرہ شائع ہوا تھا اسے پڑھ کر لاہور سے عزیزم میاں محمد اسلم سلمہٗ لکھتے ہیں:

"آپ سے تعزیت کے مضمون میں چند سہو ہو گئے ہیں:

(۱) پیر سید حسام الدین راشدی مرحوم کا انتقال لندن میں نہیں کراچی میں ہوا۔

(۲) مرحوم کی تدفین ٹھٹھہ میں کوہ مکلی پر مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی کے احاطہ مزار میں ہوئی۔

(۳) مرحوم شادی شدہ تھے، اگرچہ لاولد تھے، ان کی اہلیہ اب تک بقید حیات ہیں"

از راہ کرم ناظرین تصحیح فرمالیں۔

اڈیٹر۔